Journal of Applied Linguistics and TESOL (JALT)
www.jalt.com.pk
Vol. 7 No. 3 (2024)

Romance of Indus Valley in Modern Saraiki Poetry

جدید سرائیکی نظم میں سندھ وادی کا رومانس

Riaz Hussain Khan Sindher
Assistant Professor, Department of Siraiki,
The Islamia University of Bahawalpur
Email: *riazsindher@gmail.com*
Muhammad Arif
Lecturer, Saraiki Area Study Centre,
Bahauddin Zakariya University, Multan
Email: *arifrajwana@gmail.com*

Abstract

The Saraiki region is the central part of the Indus Valley. The people of the Saraiki region have been the victims of attack and exploitation by foreign invaders and usurpers for centuries. This attack and exploitation has given them nothing but a sense of deprivation and inferiority. When Harappa and Mohenjo-Daro were excavated by the Department of Archeology during the British era, it gave a sense of pride to the people here and thus the beauty of the Indus Valley, its ancient monuments and its rivers became the romance of the people of this region. The excavations of these archaeologists gave the people of the Indus Valley a pleasant feeling and pride that they are not inferior creatures from outside, but they are the original heirs of this great civilization. It was a great feeling. This realization opened new doors of knowledge and literature. This feeling changed the aesthetic of the poetry of the Saraiki region. From local metaphors, similes and symbols, that artistic and intellectual beauty was born in Saraiki poetry, which made Saraiki poetry equal to the best poetry in the world. In Saraiki Modern literature, Saraiki poetry has widened the meaning and scope of Romanticism. Modern Saraiki poetry has its own Romanticism. This new Romanticism in Saraiki literature has its own romantic elements. Among these elements, the romance of Indus Valley is very prominent in the poetry of modern Saraiki poetry particularly in the genre of modern poem. In the article, an overview of the romance emerging from these excavations will be presented in the way the Saraiki poets have appreciated and celebrated it in their poems.

Keywords: Indus Valley, Romanticism, Modern Saraiki poetry, Harappa and Mohenjo-Daro

سندھ وادی کا شمار دنیا کی چار بڑی اور قدیم ترین تہذیبوں میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دنیا کی باقی بڑی تہذیبوں میں مصر ، میسوپوٹیمیا اور چین کی تہذیبیں شامل ہیں اور ان تہذیبوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ دریاؤں کے کناروں پر پروان چڑھیں۔ میسوپوٹیمیا کی تہذیب دجلہ و فرات کے کناروں پر پلّی بڑھی ، مصرکی تہذیب دریائے نیل کے کناروں پر پھلی پھولی اور چین کی تہذیب کو دریائے زرد نے پروان چڑھایا۔ سندھ وادی دریائے سندھ اور دریائے ہاکڑہ کے کناروں پر پروان چڑھی۔ سرمور ٹیمر وھیلر اپنی کتاب میں سندھ وادی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :

"ارتقایافتہ شہری کے زندگی کے ابتدائی دور کا آغاز ہمالیہ کے نیچے کے خطّے میں ہُوا ۔اپنی اوّلین اور وسیع ترین جائے وقوع کی بنا ٔ پر اس تہذیب کا نام وادئ سندھ کا تمدن پڑا۔"(۱)

سندھ وادی قدرتی وسائل اور حسن سے مالا مال وادی تھی۔ جس کی وجہ سے سندھ وادی پر ہمیشہ بیرونی حملہ آوروں نے حملےکیے ،ظلم کے بازار گرم کیے اور بے دردانہ طریقے سے قتلِ عام کیا ، یہاں کے وسائل کولُوٹا اور مقامی باشندوں کوں اپنا غلام بنایا ، انہیں ان کی دھرتی سے بے دخل کیا ۔ سندھ وادی کے قدیم اور اصل باشندوں کوں ان بیرونی حملہ آوروں نے نہ صرف ان کے وسائل سے محروم کیا بلکہ ان کے اندر احساس محرومی اور احساسِ کمتری کا زہر بھی گھول دیا۔ان بیرونی حملہ آوروں میں دراوڑ، آریا، اسوری، یونانی، عرب ، ایرانی ، افغانی اور انگریز سب شامل رہے ہیں۔ ان بیرونی حملہ آوروں نے ان مقامی اور اس وادی کے اصل باشندوں کو شودر اور راکھشس کہا۔ ان سے ان کا ہر احساسِ تفاخر چھین لیا۔ ان کے طرزحیات اور طرز فکر کو فرسودہ اور جاہلانہ قرار دیا۔ اس وجہ سے سندھ وادی کے مقامی باشندوں کے اندر خوف ، ڈراور کبھی نہ ختم ہونے والی اداسی ہمیشہ کے لیے رچ بس گئی۔مقامی باشندوں کا یہ احساس محرومی اور احساسِ کمتری ہمیشہ کے لیے ان کی ترقی کی راہ میں سدِ راہ بن گیا۔جب کسی تہذیب کے لوگوں میں احساس محرومی اور احسا س کمتری بڑھ جائے اور ان کے اندراپنی تہذیب اپنی دھرتی اور سورماؤں کے حوالے سے احساس تفاخر باقی نہ رہے تو ایسی قومیں بڑی مشکل سے اقوامِ عالم میں اپنی شناخت اور اپنا کوئی مقام بناتی ہیں ۔ آثاریات اور آثارِ قدیمہ کی دریافت کسی بھی قوم کی شناخت اور توقیر کا ایک بہت بڑا ماخذ ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر شیخ نوید اسلم لکھتے ہیں کہ :

"آثار یات ، تاریخ کا ایک اہم اور ضروری ماخذ ہے۔ کسی بھی ملک ، خطے ، علاقے میں موجود ٹیلے ، بھٹ، قدیم قلعے اس کی تاریخی ورثہ اور تاریخ کی ان کہی گم شدہ کڑیاں ملانے کا اہم وسیلہ ہوتے ہیں۔ جس علاقہ، خطے ، ملک میں یہ ٹیلے موجود ہوں وہ جتنے بھی قدیم ہوں ہوں گے اتنے ہی زیادہ اہم اور اس خطے کے لوگوں کی تہذیبی تسلسل کو اپنے اندر پنہا ں کئے ہوئے ہونگے اور یہ ٹیلے اس ملک کے لیے تہذیبی خزینہ اور تاریخ کا ماخذبن جاتے ہیں۔ "(۲)

سندھ وادی کے لوگوں کو ان کے احسا س کمتری سے نکالنے اور انہیں احساس تفاخر دلانے میں اہم ترین واقعات وہ کھدائیاں ہے جو انگریز دور میں ان کے قائم کردہ محکمہ آثارِ قدیمہ کے ماہرین نے کی اور اس خطے کے لوگوں کو اس بات کا شعور دیا کہ یہا ں کے اصل باشندے جس تہذیب اور تمدن کے وارث ہے وہ تہذیب اور تمدن اُن بیرونی حملہ آوروں کی تہذیب اور تمدن سے کسی بھی طرح سے کم نہیں تھی اور ان کی تہذیب بھی اپنی قدامت اور عظمت کے لحاظ سے اُن تہذیبوں کے ہم پلہ تھی۔سرائیکی خطہ اس سندھ وادی کی تہذیب کے مرکزی علاقوں پر مشتمل ہے۔ سرائیکی خطے ان حملہ آوروں کی حملہ آوری، قتلِ عام اور لوٹ کھسوٹ کا سب زیادہ نشانہ بنا۔ اس خطے کے مقامی باشندوں کے ساتھ جو سلوک ہوا اُس نے اس خطے کے باشندوں کو بھی ہر طرح کے احساس تفاخر سے محروم کیا اور ان کے اندر احسا س کمتری پیدا کیا۔ کئی صدیاں کی حملہ آوری، ظلم و جبر اور استحصال سے پیدا ہونے والی احساس محرومی اور احسا س کمتری کے بعد اس خطّے کے لوگوں کو جو پہلا احساس تفاخر (Pride)ملا۔ اس کا سہرا سرجان مارشل، جنرل کننگھم،آر۔ ڈی۔ بنر جی ، ڈی۔ آر ۔ ساہنی اور رفیق مغل جیسے ماہرین آثارِ قدیمہ کے سر ہے۔ جنہوں نے اس خطے کے لوگوں پر آشکار کیا کہ وہ کوئی شودر، راکھشس اور غیر مہذب نہیں ہیں۔ بلکہ وہ خود ہک قدیم اور عظیم تہذیب کے وارث ہیں۔ یہ اس خطّے کے لوگوں کا پہلا رومانس ہے جس کا اظہار نہ صرف یہاں کے سرائیکی دانشوروں اور لکھاریوں نے اپنی تحریروں میں کیاہے بلکہ اس خطے کے سرائیکی شاعروں نے اپنی

نظموں میں خاص طور پراسے Celebrate کیا ۔ جدید سرائیکی شاعری میں نظم وہ صنف ہے جس میں سرائیکی نظم گو شاعروں نے سندھ وادی اور اس کے دریاؤں خاص طور پر دریائے سندھ کے ساتھ اپنے رومان(Romance) کو اپنی نظموں میں اس طرح پیش کیا ہے کہ" دریا سندھ" سرائیکی نظموں کا ایک بہت بڑا موضوع بن کر سامنے آیا ہے۔ اس رومان کی ابتداء اور اصل وجہ مذکورہ ماہرینِ آثارِ قدیمہ کی وہ کھدائیاں ہیں جن سے ہڑپہ ، موہنجو داڑو، ملتان،جلیل پور اور گھنویری والا سے مختلف آثار برآمد ہوئے ہیں۔ ان آثار اور انکشافات کا کریڈٹ (Credit) اُن ماہرینِ آثار قدیمہ کوں جاتا ہے جنہوں نے اس خطے میں آثار قدیمہ کی دریافت کے لیے مختلف مقامات پر کھدائیاں کیں۔ اس سے پہلے سندھ وادی کی اس تہذیبی قدامت سے دنیا اور خاص طور پر یہاں کے مقامی باشندے آشنا نہیں تھے۔ اکرم میرانی اپنی سرائیکی وسیب کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ :

> "وادی سندھ ، سرائیکی وسیب جس کا ایک حصہ ہے ،یہ دنیا کی پرانی ترین تہذیبوں میں سے ہے، سرائیکی وسیب اس وادی کا مرکزی حصہ ہے۔ اس بات کا ثبوت آثار قدیمہ کی وہ تحقیقات ہیں جو ہمیں بتاتی ہیں کہ اس دھرتی میں ہاکڑہ تہذیب جیسی بڑی تہذیب ایک زمانےاپنے عروج پر رہی۔ اس کے ساتھ ساتھ جلیل پور ، گنویری والا اور ملتان ہمارے وہ علاقے ہیں جو ہمارے وسیب کے بارے میں تحقیق کرنے والوں کے لیے بہت کچھ چھپا کے کھڑے ہیں۔(۳)

اسی طرح سے ان کھدائیوں کے حوالے سےڈاکٹر عتیق انور صدیقی لکھتے ہیں کہ:

> "ہڑپا اور موہن جوداڑو کی دریافت ۲۱۔۱۹۲۰ء میں ہوئی ۔ شہروں کی دریافت کے سلسلے میں کھدائی کا کام جان مارشل (John Marshal)کے زیر نگرانی شروع ہوا تھا۔ اور اس وقت اس دریافت کوں بیسویں صدّی کا سب سے اہم کارنامہ شمار کیا جاتا ہے۔ "(٤)

سرجان مارشل وہ پہلا بندہ ہے جس نے سرائیکی تہذیب کوپانچ ہزارسال کی عظمت و قدامت پہ جا کھڑا کیا ہے۔ جس کے ساتھ سرائیکی وسیب کے لوگوں کے لئے نئے در وا ہوئے ہیں۔جس کے ساتھ یہا ں کے لوگوں نے خود کودوبارہ محسوس کیا ہے کہ وہ بہت وسیع اور بہت قدیم تہذیب کے وارث اور مالک ہیں۔سر مور ٹیمر کے مطابق :

> "۱۹۲۱ء کے سرجان مارشل اور ان کے ساتھیوں نے جو آثار دریافت کیے اُن سے ہندوستان کو ماقبل تاریخ عہد کے تقریباًدوہزار زریں سالوں کا اضافہ حاصل ہوگیا اور دنیا کو اس کی تین قدیم ترین تہذیبوں میں سے ایک سب سے بڑی تہذیب کا علم ہوا۔ "(٥)

۱۹۲۱ء کے اس سال جب موہنجو داڑو اور ہڑپہ دریافت ہوئے ، کھدائیاں ہوئیں، اس سے پہلے یہاں کے لوگ ڈیڈھ ہزار سال پرانی تہذیب کی تاریخ پر کھڑے تھے۔ یہ سرجان مارشل تھے جنہوں نے اس خطے کے لوگوں کو نئی آنکھ دی۔ جس سے یہا ں کے انسان نے دنیا کو ، کائنات کو اور اپنے آپ کوں نئے سرے سےدیکھا۔ اس سے نہ صرف سرائیکی وسیب کو بلکہ پوری سندھ وادی کی تاریخ اور تہذیب کوہک توقیر ملی۔ اس کے آرٹ کی بنیادمیں یہ بات شامل ہوگئی کہ وہ ایک تہذیب بلکہ ایک قدیم تہذیب کے وارث ہیں۔ اس احساس سے یہاں کے آرٹ میں ہک نئی Transformationآئی۔ خواجہ غلام فرید کے عہد تک یہ بات معلوم نہیں تھی کہ اس وسیب کا آدمی اتنی قدیم تہذیب کا وارث ہے۔ گو خواجہ غلام فرید کے پاس ایک چیز موجود تھی جو اُن کے مطالعہ اور علم میں تھی جو کہ آج کے بندے کے مطالعہ میں بھی نہیں ہے ، وہ بات یہ تھی کہ خواجہ غلام فرید نے وید پڑھ رکھے تھے۔ وید بھی سندھ وادی کے انسان کو کم از کم دو ڈھائی ہزار سال پیچھے لے جاتے ہیں۔ویدوں کو ۵۰۰قبل مسیح سے ۱۲۰۰قبل مسیح کے درمیان کی تخلیق سمجھا جاتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ڈیو ڈھائی ہزار سال کی تاریخ تو

ویدوں نے بھی بنائی ہوئی تھی۔ موہنجوداڑو اور ہڑپہ کی دریافت کے بعد یہا ں کے انسان کا تہذیبی ورثہ پانچ ہزار سال پیچھے چلا گیا۔ خواجہ غلام فرید کے پاس قدامت کا ایک تصور موجود تھا جو انہیں ویدوں کے مطالعے سے حاصل ہواتھا لیکن قدامت کے اس تصورکااحساس اپنی جگہ پر ، لیکن یہ قدامت خواجہ کی شاعری میں منعکس (Reflect) نہیں ہوئی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ تہذیبی تصور اور احساس جو قدامت کے ساتھ جڑا ہوا ہے وہ سرائیکی کلاسیکل شاعری میں نہیں ہے۔ سرائیکی کلاسیکل شاعری میں وسط ایشیاء کے شاعروں اور فلسفیوں کے تصورات اور فلسفے موجود ہیں۔ یہ ایرانی صوفیا ء کے خیالات کے رومان پر کھڑی شاعری ہے۔ اس کے مقابلے میں جدید سرائیکی شاعری (Modern Siraiki Poetry) توتاریخی اور تہذیبی اعتبار سے بہت آگے چلی گئی ہے۔ جدید سرائیکی شاعروں کے پیروں کے نیچے زمین ہے۔ خواجہ غلام فرید کے پیروں کے نیچے بھی زمین ہے۔ انہوں نے بھی زمین کی دریافت کی ہے۔ خواجہ غلام فرید نے کمال یہ کیا ہے کہ وہ تصوف جو کہ سارے کا سارا فلسفہ ہے ، خواجہ غلام فرید نے اس فلسفے کوں روہی کی دھترتی پر رکھ دیا ہے۔ انہوں نے فلسفے کی تعریف اور توضٰیح روہی کے ذریعے کی ہے۔ خواجہ غلام فرید کی شاعری کا سارا حسن اسی وجہ سے ہے کہ انہوں نے زمین (Land) کوں پہلی دفعہ Establishکیا ہے۔ یہ اُن کا بہت بڑا کمال ہے۔ خواجہ غلام فرید نے اپنی شاعری میں صوفیانہ خیالات کوزمین (Land) کے ساتھ جوڑا تو یہ کام پہلی دفعہ خواجہ غلام فرید نے کیا۔ یہی چیزانہیں دوسرے صوفی شاعروں سے منفرد کرتی ہے۔جدید سرائیکی شاعروں نے اپٹی قدامت کے رومانس کوں سرجان مارشل کی دریافت کے بعد کہیں بہت دور لے گئے ہیں۔ یہ سہولت اور فائدہ سرائیکی زبان کے جدید شاعر کو حاصل ہے۔ سرائیکی نیشنل ازم کی پوری موومنٹ کو سب سے زیادہ طاقت اور بنیاد اسی چیز نے مہیا کی ہے کہ وہ ایک بہت ہی قدیم تہذیب کے وارث ہیں۔ اُن کی ایک شناخت ہے۔ آج کا جدید سرائیکی شاعر سندھ وادی کی تہذیب کی شناخت کے ساتھ اپٹی شناخت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس شناخت کا ریکارڈسرائیکی وسیب کے دانشوروں ، ادیبوں اور شاعروں کوں جن لوگوں نے دیا ہے وہ سرجان مارشل،جنرل کننگھم اور رفیق مغل ہیں .

جدید سرائیکی شاعری میں جس صنف نے سرائیکی شاعری کو توقیر بخشی ہے اور جس صنف میں جدید سرائیکی شاعروں نے اعلیٰ پائے کی شاعری تخلیق کی ہے وہ صنف جدید نظم کی صنف ہے جس میں پابند نظم، آزاد نظم،معری ٰ نظم اور نثری نظم کی اصناف شامل ہیں۔ ان نظموں میں جو موضوع ایک بہت بڑے رومان (Romance) کے طور پر ابھرا ہے وہ سندھ وادی کا رومان (Romance) ہے۔ جس کا اہم مظہر دریا ئے سندھ ہے۔ ا س رومان کا ہک خوبصورت حوالہ ڈاکٹر مہر عبدالحق کی تحقیقی کتاب " سرائیکی لوک گیت "۰(۱۹٦٤ء)کا انتساب ہے جو یہ تھا:

"دریائے سندھ کی لہروں کے نام" (٦)

ہیٹ دریاؤں کے کناروں کی دلدلی اور جھاڑیوں والی زمین کوبھی کہا جاتا ہے، دریائی علاقے اور درویاؤں کے درمیان کی زمین کو بھی کہا جاتا ہے۔ سندھ وادی میں دریا سندھ کے ساتھ ساتھ اور بھی کئی دریا ہیں جن میں چناب، راوی، جہلم ، ستلج بھی ہیں اور ہک گم شدہ ہاکڑ ہ دریا بھی ہے۔ ان دریاؤں کے ہیٹ کا جو حسن اور جو دلکشی ہے اُسے بھی سرائیکی نظم گو شاعروں نے اپنی نظم میں پیش کیا ہے اور ان کے ساتھ اپنے رومانوی جذبات کو پیش کیا ہے۔ اس حوالے سے حسن رضا گردیزی کے شعری مجموعہ "دھابے دھوڑے" (۱۹۷۹ء)کی نظم "کچا ہیٹ " ہک بہت ہی خوبصورت نظم ہے۔جس میں انہوں نے دریائی علاقوں میں صبح کے منظر کی دلفریبی کودرج ذیل انداز میں بیان کیا ہے:

"پار چنھاں دے کچے ہیٹ اچ
فجریں کال کڑچھی ہولے
روح دا چین نگاہ دی ٹھاڈل
نتری صاف ہوادے جھولے" (۷)

اسی طر ح سے وادی سندھ کے ان دریاؤں کے ہیٹ کے حوالے سے جمشید احمد کمتر رسول پوری کے

شعری مجموعہ "سُکھ سوجھلا "(۱۹۹۱ء)کی ایک نظم "ہیٹ " میں ہیٹ کو پیار کرنے والوں کے لیے ہک مثالی جگہ قرار دیا ہے ، جہاں رنگ ہی رنگ ہے ، جہاں خوشیاں ہی خوشیاں ہیں اور جہاں کی سادہ زندگی میں اپنی ایک کشش ہے۔ اس لیے جمشید احمد کمتر پکے علاقے یعنی شہری علاقے سے تنگ ہو کر اپنے محبوب کے ساتھ ہیٹ میں جا کر آباد ہونے اور وہاں رہنے کی خواہش کرتے ہیں :

"پکے توں ہُڑ ساڈی بس اے ہیٹ ڈھیں پس چس ای چس اے
آھُڑ سانول ہیٹ ڈُو چلوں آھُڑ سانول ہیٹ ڈُو چلوں
وقت نبھیسوں ہیٹ دے لئیں وچ فرق نہ ہوسی تیں تے میں وچ" (۸)

جمشید احمد کمتر رسول پوری نے ہیٹ میں موجود کالے تیتر وں، چترور، کونجوں ا ور مشکی موروں کا بھی حوالہ دیا ہے،ہیٹ کی بارشوں کا لطف ، ہیٹ کی ٹھنڈی ہواؤں کا بیان ، ہیٹ کے علاقے کے دودھ اور لسی کے مزے ، غرض ہیٹ کی جو باغ بہاریں ہیں اُن کو بہت ہی خوبصورت لفظوں میں نظم کیا ہے۔یہ سب سندھ وادی کا حسن ہے جسے سرائیکی شاعری نے بڑے فخر کے ساتھ اور جذبات کی گہرائیوں سے Celebrateکیا ہے۔

عاشق بزدا ر کا شمار سرائیکی زبان کے رومانوی شاعروں میں ہوتا ہے۔ان کا شعری مجموعہ "قیدی تخت لہور دے " ۱۹۸٤ء میں شائع ہوا ، اس شعری مجموعے کی شہرت مزاحمتی فکر کے حوالے سے ہوئی۔مزاحمتی فکر کے ساتھ ساتھ اس میں سندھ وادی کے تاریخی آثار اور دریاؤں کے ساتھ عاشق بزدار کی وابستگی اورمحبت نے اس مجموعے میں موجود رومانوی رنگ کو اور گہرا کر دیا۔ عاشق بزدار نے اپنی شاعری میں رومانوی شاعری کے مزاحمتی رنگ کے ساتھ سندھ وادی کو ساتھ اپنے رشتے کو بہترین رومانوی رنگ میں پیش کیا ہے۔وہ اپنی شاعری اس رشتے کو بہت ہی تخلیقی سطح پر پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں :

" میڈی رَگ رَگ دے وچ وہندن
گھارا ، سنگھڑ، سندھ تے چھاچھڑ
اکھیوں لُڑھدی کاک
میڈا پنج دریاویں نال ہے کیویں رشتہ
سمجھ نیں آندا" (۹)

گھارا سے مراد دریا ئے گھاگھراہے جسے ہاکڑہ اور سرسوتی بھی کہتے ہیں ۔ یہ سرائیکی وسیب کا وہ دریا ہے جو سُوکھ گیا ہے اور گم ہوگیا ہے۔ اسی طرح سے سنگھڑ تونسہ کی ندی ہے۔ چھاچھڑ راجن پور کی ندی ہے اور اسی طرح کاک سرائیکی وسیب کے دریا ئے گھاگھرا سے نکلنے والی ندی ہے جس پر سرائیکی لوک داستان کے کردار مومل کا گھرتھا۔ گھاگھرا کے سوکھنے سے کا ک ندی بھی سوکھ گئی اورمومل کا گھر بھی اُجڑ گیا۔ یہ سب سندھ وادی کے رومانوی حوالے ہیں جن سے عاشق بزدار کا رومان بہت گہرا ہے۔

سندھ وادی اور دریائے سندھ کے رومان (Romance) کو جس شاعر نے اپنی شاعری میں کمال عروج پر پہنچایا وہ جدید سرائیکی نظم کے شاعر اشولال ہیں۔ اُن کی شاعری میں سندھ وادی اور دریا ئے سندھ کوں جس طرح Romanticizeکیا گیاہے اُس کا شمار دنیا کی بہترین رومانوی شاعری میں کیا جاسکتا ہے ۔ اشولال کی نظموں کا پہلا شعری مجموعہ "چھیڑو ہتھ نہ مُرلی "۱۹۸۹ء میں، دوسرا نظماں کاشعری مجموعہ "گوتم نہ جھیڑا"۱۹۹۵ء میں ، تیسرا نظموں کا شعری مجموعہ " کاں وسوں دا پکھی "۱۹۹۷ء میں، چوتھا نِظماں کا مجموعہ "سندھ ساگر نال ہمیشاں(پہلا درشن)"۲۰۰۲ءمیں شائع ہوا۔یہ شعری مجموعہ اس لحاظ سے بہت اہمیت کا حامل تھا کہ اس میں انہوں نے اس مجموعے کے دیباچے "اپنڑے قاری نال کجھ گالھیں وَلا" میں جو کچھ لکھا ہے وہ سندھ وادی کے ساتھ اُن کے اُس رومان کوں ظاہر کرتا ہے جو جدید سرائیکی شاعری میں سرائیکی شاعروں کےایک بڑے رومان(Romance) کے طور پر ابھرکر سامنےآیا ہے۔ اشولال لکھتے ہیں کہ:

"آج بیس برس بعد میں اپنے کام کواپنے قاری کے ساتھ دوبارہ پڑھتا ہوں تو ایسے لگتا ہے جیسے میں نے ایک ہی نظم دوبارہ دوبارہ لکھی ہو اور یہ ایک ہی نظم ہے۔۔سندھ وادی، اس کی آبادی، اس کے دریا، اس کے پرندے، اس کے جانور، اس کے لوگ، اس کی جگہیں، اس کے کھنڈر، اس کا مزاج، اس کا غصہ، اس کی محبت۔۔کتنے رنگ ہیں جنہوں نے تاریخ کی اذیت سے گزرنا تھا۔"(۱۰)

اشولال نے اپنی شاعری کا ایک سکیچ خود پیش کیا ہے ہے جس کے مطابق "چھیڑو ہتھ نہ مُرلی " میں جو نظمیں ہیں اُن کا موضوع سندھ وادی کا Festival Culture، سندھ وادی کے باشندے اور سندھ وادی کا حسن ہے۔ "گوتم نال جھیڑا " کی نظماں کا موضوع سندھ وادی کا Cultural Unconscious،اس کا لوک تصوف اور اسکی بدھ مت ہے۔ "کاں وسوں دا پکھی " کا موضوع سندھ وادی وادی کی تاریخ، اس کی آباد ی اور اس کے آثارہے۔" سندھ ساگر نال ہمیشاں " کی نظموں کا موضوع سندھ کے دریا، اس کا لینڈ سکیپ اور اس کے پرندے اور جانور ہیں۔ انہوں نے اپنے آنے والے شعری مجموعے "سندھ ساگر نال ہمیشاں" کے موضوعات میں سندھ وادی کے پربھ، اس کی درگاہیں اور اس کی موسیقی کو شامل کیا ۔ یہ مجموعہ "سندھ ساگرنال ہمیشاں"(پُوجھا درشن) ۲۰۱۷ء میں چھپ کر منظرِ عام پرآیا۔ ا س کے بعد بھی اشولا ل کے دوشعری مجموعے "چال منوتی "۲۰۲۱ء میں اور "وسمارا "۲۰۲٤ء شائع ہوکر منظر عام پر آچکے ہیں۔ جن میں بنیادی فکر سندھ وادی سےوابستہ ہر چیز سے اشولال کی وہی گہری محبت اور وابستگی ہے جو اُن کے گذشتہ تمام شعری مجموعوں میں چھائی ہوئی نظرآتی ہے۔ سندھ ساگر کے ساتھ رومانس کے حوالے سے اُن کی ایک نظم کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

"دریا او دریا ، پاٹی تیڈے ڈونگھے
توں ساڈا پیو ماء ، اساں تیڈے پونگے "(۱۱)

دریا ئےسندھ سے محبت اور عقیدت کے حوالے سے اشولال کی ساری شاعری بھری پڑی ہے۔ سندھ وادی سے رومان کا یہ سفر اشولال کی شاعری میں اپنا عروج کو پہنچتا دکھائی دیتا ہے۔ ہر زبان میں کسی نہ کسی عہد میں رومانوی فکر ایک غالب رجحان کی صورت اُبھری ہے ۔ سرائیکی زبان میں رومانویت کا آغاز ۱۹۸۹میں اشولال کی کتاب "چھیڑو ہتھ نہ مرلی " اور رفعت عباس کی کتاب " پڑچھیاں اُتے پُھل " سے اپنی پوری توانائی سے شروع ہوتا نظر آتاہے اور سرائیکی زبان میں یہ رومانوی عہد اشولال اور رفعت عباس کے مذکورہ دو شعری مجموعوں سے شروع ہوتا ہوا آج تک جاری ہے۔ اور یہی ۱۹۸۹ء سے لیکر موجودہ عہد۲۰۲٤ء کاسرائیکی شاعری کا دور خاص طور پر نظم گوئی کا عہدِ زریں بھی ہے۔ اشولال کے علاوہ بہت سارے شاعروں نے سندھ وادی اور اس کے دریاؤں کے حوالے سے بھرپور رومانوی شاعری کی ہے۔ رفعت عباس نے اپنی نظموں جدید رومانویت کی بنیاد رکھی ہے ۔ سندھ وادی کے دریاؤں کے حوالے سے اور اس کے وسیب کے حوالے سے ایک نئی قسم کے رومان کو پیش کیا ہے۔

اسی طرح جدید نظم گو شاعروں نےسندھ وادی اور اس کے دریاؤں سے اپنی والہانہ محبت کا اظہار کرتے ہوئے جہاں سندھ وادی کےقدیم آثار سے اپنے رومان کوں شعری قالبوں میں ڈھالا ہے وہیں ان دریاؤں کے گم ہونے ، خشک ہونے، آلودہ ہونے اور بیچ دئیے جانے کے دکھ اور درد کے نوحےبھی لکھے ہیں اور جدید سرائیکی نظم میں ان دریاؤں کی خوبصورتی اور رعنائی کے قصیدے بھی ملتے ہیں۔

سندھ وادی سے رومان کا سب سے بڑا حوالہ دریائے سندھ ہے۔ستلج ، راوی، چناب کے ساتھ ساتھ سندھ وادی کے ایک گم ہوجانے والے دریا "ہاکڑہ" سے محبت بھی ایک بڑے رومان کے طور پر ابھر کر سامنے آیا ہے۔ دریا ئے ہاکڑہ کوگھاگھرا اور سرسوتی کے نام سے بھی یا دکیا جاتا ہے۔اشولال کے

علاوہ جن سرائیکی نظم گو شاعروں کی نظموں میں یہ رومان بھرپور طور پر ابھرا ہے اُن میں ایک نام سعید اختر سیال کا ہے جن کا شعری مجموعہ "دیرہ سندھ کنارے "(۱۹۹۱ء) ہے۔اس شعری مجموعےکا عنوان اور اس میں شامل نظم "دریا " اور نظم "دیرہ سندھ کنارے" سندھ دریا سے رومان سے جڑی بہترین نظمیں ہیں۔ ان نظموں میں سندھ وادی کے اس عظیم دریا کے حسن اور اس سے جڑی شعری جمالیات سعید اختر سیال نے کمال خوبصورتی سے پیش کیاہے۔ نظم دریا سے کچھ اشعار درج ذیل ہیں:

تُوں تاں ہیں دریا وے سائیں
تیڈے جیوݨ رُوپ کُوں ڈیہدے
جند وچ پوندے ساہ وے سائیں
واہ وے سائیں"(۱۲)

اسلم جاوید کی مزاحمتی شاعری کی شعری جمالیاتی میں سندھ وادی کے عظیم دریاؤں کا حوالہ بھی سندھ وادی سے اُن کے رومان کا ہک بہترین حوالہ ہے۔ اُن کی مختصر نظم میں اُن کا یہ رومانس صاف جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔

" میں ترسا
میڈیی دھرتی ترسی
ترسی روہی چائی
میکوں آکھ نہ پنج دریائی(۱۳)

اسی طر ح مظہر عباس تابش کا شعری مجموعہ "ٹھیڑیاں" بھی سندھ وادی سے رومان کے حوالے سے ایک خوبصورت شعری مجموعہ ہے ۔ ٹھیڑیاں کا مطلب ہے آثار۔ خرابے، کھنڈرات، ویران شدہ بستیاں۔ اس شعری مجموعہ میں ٹھیڑیاں کے عنوان سے ۱۹مختصر اور معنی خیز نظماں شامل ہن۔ جن میں سندھ وادی کے آثار کے حوالے سے شاعر نے اپنے رومان کو بیان کیا ہے۔ ان نظموں میں ٹھیڑی سے خطاب بھی ہے۔ اوران ٹھیڑیوں سے متعلق مظہر علی تابش نے اپنے جذبات کا اظہار بھی کیا ہے۔ ان سب نظموں میں غنائیت اور سرشاری پائی جاتی ہے۔ان میں درد اور ایک کسک سی بھی موجود ہے ۔ یہ کسک ٹھیڑیاں کے عنوان سے لکھی جانے والی ان نظموں کے سلسلے کی آخری نظم سندھ وادی اور اس کے آثار سے رومان کے حوالے کی ہک شاہکار نظم ہے۔ نظم ملاحظہ ہو:

"قبر کھٹ آ"
بھلا ہووی اساڈی من چا
ہولے ہولے مٹی کھٹیں
پھنبڑیاں پھنبڑیاں سلہیں پٹیں
ہک ہک سلِھ دے ہیٹھ اساڈے
پُرکھاں دی تہذیب پئی ھِ
ہتھ لاویں تاں ہَولا لاویں
کیوں جو اَہدن ٹھیڑی ٹھیڑی
موئے بندے دا انگ انگ
ڈاہڈا درد کریندے" (۱٤)

اس نظم کا مخاطب قبر کھودنے والا ہے جس سے مراد آثار قدیمہ والے وہ لوگ ہیں جو آثار کی کھدائی کرتے ہیں۔

خالد منیر خالد کا شعری مجموعہ "سندھڑے لہندی شام"میں سندھ وادی اور دریائے سندھ سے رومان اس شعری مجموعے کے عنوان"سندھڑے لہندی شام " اور اس کتاب کےانتساب سےصاف نظر آتا ہے۔ کتاب کا انتساب کچھ یوں ہے:

"سندھ وادی دے حسن دے ناں " (۱٥)

اس شعری مجموعہ کی نظم "سندھڑے لہندی شام" منیر احمد منیر کا سندھ وادی سے رومان کا ایک خوبصورت شعری اظہار ہے۔خالد منیر خالد کی یہ نظم ملاحظہ ہو:

"میکوں قرب کنار ڈے گئی
سندھڑے لہندی شام
موسم پیار اپیارا ڈے گئی
سندھڑے لہندی شام
ڈینہہ تاں اکھیاں روندیں روندیں
رستہ بھال گزاریا
چھیکڑ! خوب ٹھکارا ڈے گئی
سندھڑے لہندی شام" (١٦)

جاوید آصف کا شمار بھی جدید سرائیکی شاعری کے اہم شاعروں میں ہوتا ہے۔ اُن کا شعری مجموعہ "وساندر" ٢٠١٥ء میں چھپ کر سامنے آیا توں اس میں ایک نظم "پچھتاوا" کا موضوع دریا سندھ کانوحہ ہے۔ سندھ دریا کو جس طرح سے آلودہ کیا گیا ہے او ر اس کے قدرتی حسن کو جس طریقے سےبگاڑا گیا ہےاس سب کے دکھ اور در د کوبیان کرتے ہوئے جاوید آصف نے اپنے پشمانی اور پچھتاوے کوں یوں بیان کیا ہے:

"سندھو سائیں
تیڈی وسوں
بے شک ساڈے ہتھوں اُجڑی
تیڈے بیلے
ساڈے ہتھوں بے کھوندے تھئے
تیڈی کاوڑ توں بے چنتے
تیڈی چپ دی شہ تے اساں
لئی لاٹے دی منزل تاٹی
تیڈے ہک ہک وٹ کوں ماریا
اے وی سوچ کڈاہیں ساڈے چیتے نہ اَئی
تیڈی کاوڑ ساکوں اتنا مہنگی پوسی" (١٧)

سندھ دریا کی آبادی، اس کے جنگل ، اس کے بیلے اور اس کے تمام حسن کی بربادی کی ذمہ داری کوقبول کرنا اور پھر دریا سندھ کی بپھری لہروں اور طغیانیوں کا بیان بھی سندھ وادی کے اس عظیم دریا سے رومان کا ہک خوبصورت حوالہ ہے۔ جو اس نظم میں پیش کیا گیا ہے۔

جہانگیر مخلص کا شمار سرائیکی زبان کے اُن رومانوی شاعروں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی شاعری میں رومانویت کے مزاحمتی عنصر کوں بہت ہی شدت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اُن کی نظموں میں بھی سندھ وادی کے دریاؤں کے ساتھ جڑے رومان کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔ خاص طور پر ان کے شعری مجموعہ "میڈاکوٹ ڈیراور جاگ ولا"(٢٠١٩ء) کی نظم "سندھ طاس معاہدہ" سندھ وادی سے رومان کا ایک بہترین حوالہ ہے۔ نظم کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں:

"میڈا سوہنڑا ستلج سائیں
توں نی وکیا !
تئیں ہکڑہ ، سرسوتی تے
سُک بیاس دے وانگوں
مونہہ نی موڑیا
ساہ نی تروڑیا

میڈا ستلج سائیں
توں نی وکیا ! (۱۸)

جہانگیر مخلص کا کہنا ہے کہ اس معاہدے سے ستلج نی بیچا گیا بلکہ اس کے ساتھ اس کے بیٹ ، بیلے ، جھوپڑجاہ ٹھکانے، اس میں رہنے والے کیہل مور، مہانے، اس کی زمین کے دھوئیں، بارشیں ، لسی، مکھن، دہی، سب ختم ہوگئیں۔ اس کے بکنے سے یہاں کے لوگوں کی شاخ، ان کی قسمت کی لکیریں، ان کی جاگیریں، آنے والی نسلیں، اس دھرتی کی فصلیں سب بک گئے ہیں، ستلج اکیلا نی بِکا بلکہ اس کے ساتھ یہا ں کے پرندے، اُن کی بولیاں، یہا ں کی لوریاں، یہا ں کی کشتیاں، یہاں کی آنکھیں اور ان کا نو ر بک گیا ہے،اس دریا کی من کے قصے اور قصے سنانے والے قصولی بھی کہیں گم ہوگئے ہیں۔ یہا ں کے ناچ ، ناچنے والے سب کھو گئے ہیں ۔ ان کا ماتم اب کون کرے ۔نظم کا اختتام بہت ہی دلخراش ہے نظم کے اختتامی اشعار ملاحظہ ہوں:

"کون ھے جو رُل گئیں دے نانویں
کانے ہدھے ، ٹولھے تارے
کئی تاں پرلی کندھی کھڑتے
ویڑ ولاوے ، ہکلاں مارے
میڈا سوہڑا ستلج سائیں !
میڈا سوہڑا ستلج سائیں ! (سندھ طاس معاہدہ، ص:۱۲٤)

اس شعری مجموعہ "میڈا کوٹ ڈیراور جاگ ولا" مجموعے کی ایک اور نظم "سنجاڑ " میں بھی سندھ وادی کے اہم مرکز کے حوالے ایک بہترین رومانوی نظم ہے ۔ نظم ملاحظہ ہو:

"اساں مٹی واس نماڑے ہیں
ساڈیاں ریتاں پیت پرستیاں ہن
ساڈی بھوئیں تے ہاکڑہ واہندا ھا
ساڈیاں ستلج سانویں ہستیاں ہن
ساڈاکوٹ ڈیراور جاگدا ھا
ساڈیاں پتن منارے وسیتاں ہن
ساڈا اُچ ملتان مسیندا ھا
کیا موجاں ہن کیا مستیاں ہن
ہڑ میسے مستک پڑھ ساڈے
رُل گئیں دیاں ذاتاں کیا پچھدیں؟
اساں چھکیڑی ساہ ہیں روہی دے
ساڈیاں عیدا براتاں کیا پچھدیں؟"(سنجاڑ، ص:۱۲۵)

پوری نظم میں سندھ وادی کے اہم ترین مقامات کے آثار کے ختم ہوجانے کا دکھ ایک ماتمی دھن کی صورت دل اور روح کی گہرائیوں میں اُتر جاتا ہے۔ جہانگیر مخلص کی شاعری میں موجود سندھ وادی سے رومان بہت دکھی کردینے والا اور رُلا دینے والا ہے۔

سرائیکی زبان کے مشہور مزاحمتی شاعر عاشق بزدار نے جہانگیر مخلص کے شعری مجموعہ " میڈاکوٹ ڈیراور جاگ ولا" میں لکھے اپنے تقریظی مضمون میں اس نظم "سندھ طاس معاہد ہ " کوں دریائے ستلج کا نوحہ قرار دیا ہے۔ جدید نظم لکھنے والے نوجوان لکھاریوں میں مخمور قلندری اور اظہر کلیانی کے شعری مجموعوں میں بھی سندھ وادی کے رومان سے بھری نظمیں موجود ہیں۔جدید سرائیکی نظم کے علاوہ کافی، غزل اور ڈوہڑے کی شعری اصناف میں اقبال سوکڑی، احمد خان طارق، نصراللہ خان ناصر، عاشق بزدار اور رفعت عباس وہ بڑے شاعر ہیں جن کی شاعری میں سندھ وادی اور اس کے دریاؤں کا رومان موجود ہے۔

جدید سرائیکی شاعری میں سندھ وادی ایک بہت بڑے رومان کے طور پر ابھری ہے۔ اس رومان(Romance) کے پیچھے ہک بہت بڑا فخر (Pride) کھڑا نظرآتاہے ۔یہ فخر سرائیکی وسیب کو سرجان مارشل اور کننگھم کے اُن آثار کی دریافت کے بعد ملا ہے جن کے توسط سے ہڑپہ ، موہنجو داڑو اور ملتان سے ملنے والے آثار سے سندھ وادی کا شمار دنیا کی چار بڑی تہذیبوں میں ہوا ہے۔ جدید سرائیکی شاعروں نے اس فخر کوں اپݨی نظموں میں جس طرح سے سراہا اور منایا ہےاُس سے یہ فخر سرائیکی شاعری میں سندھ وادی کے آثار،سندھ وادی کی اساطیر، اس کے دریا ؤں، ان دریاؤں سے متعلق انسانوں، پرندوں ، پودوں اور دریائی مخلوق اور اس کے قدیم شہروں خاص طور پر ملتان سے محبت جدید سرائیکی شاعروں کے لئے ایک بہت بڑے رومان کے طور پر کھڑی نظر آتی ہے۔ سندھ وادی کی اس تہذیب سے محبت کااظہار خواجہ غلام فرید سے شروع ہوتا ہوا جدید سرائیکی شاعری کے سب بڑے شاعر اشولال اور رفعت عباس کی شاعری میں اپݨے عروج کوں پہنچتا نظر آتا ہے اور پھر بعد میں نوجوان شاعروں کی نظماں میں بھی ان کا رومانس ایک بہت بڑے موضوع اور فخر کے طور پر نسل در نسل منتقل ہوتا نظر آتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ وھیلر ، مور ٹیمر ، سر، وادیِ سندھ اور اس کے بعد کی تہذیبیں،(مترجم) زبیر رضوی ، نئی دہلی ،قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، ،دوسرا ایڈیشن،۱۹۹۸ء، ص:۱۲
۲۔ نوید اسلم ، شیخ، پاکستان کے آثارِ قدیمہ ، لاہور، بک ہوم،۲۰۲۰ء، ص:۳۳
۳۔ اکرم میراٹی، سرائیکی پڈیس، لاہور ،نگارشات ، ۱۹۸۷ء، ص:۱۲
٤۔ عتیق انور صدیقی، ڈاکٹر ، ہندوستانی وراثت اور آثارِ قدیمہ ، دہلی ،تخلیق کار پبلشرز، ۲۰۱٦ء، ص:۵۰
۵۔ وھیلر ، مور ٹیمر ، سر، وادیِ سندھ اور اس کے بعد کی تہذیبیں ، ص:۱۲
٦۔ مہرعبدالحق ، ڈاکٹر، سرائیکی لوک گیت، ملتان، بزم ثقافت، ۱۹٦٤ء،ص:iv
۷۔ گردیزی، حسن رضا، دھابے دھوڑے، ملتان ، بزم ثقافت، ۱۹۷۹ء، ص:۵۷
۸۔ رسول پوری، جمشید احمد کمتر ، سُکھ سوجھلا،جام پور، نیلاب پبلشرز، ۱۹۹۱ء، ص:٦۸
۹۔ عاشق بزدار، قیدی تخت لہور دے ،ملتان، جھوک پبلشرز، طبع دوم ۲۰۱٤ء، ص:۲۹
۱۰۔ اشولال، سندھ ساگر نال ہمیشاں(درشن۔۱)،لہور،شرکت پریس،۲۰۰۲ء، ص:۸
۱۱۔ اشولال، سندھ ساگر نال ہمیشاں(ڈوجھا درشن)، سپت سندھو، دیرہ اسماعیل خان، ۲۰۱۷ء، ص: ۱۷۱
۱۲۔ سیال ، سعید اختر، دیرہ سندھ کنارے، ڈیرہ اسماعیل خان پبلشرز،۱۹۹۱ء،ص:۵۱
۱۳۔ اسلم جاوید، میکوں آکھ نہ پنج دریائی،اسلام آباد، ورلڈ وائیڈ میڈیا کمیونی کیشن ، ۱۹۹٤ء ، ص:۳۰
۱٤۔ تابش، مظہر علی، ٹھیڑیاں، ڈیرہ اسماعیل خان، قاصر ادبی فورم، ۲۰۰۱ء، ص:۸٦
۱۵۔ خالد ، منیر خالد، سندھڑے لہندی شام ،ملتان ، جھوک پبلشرز، ۲۰۰٦ء، ص:۳
۱٦۔ خالد ، منیر خالد، سندھڑے لہندی شام ،ملتان ، جھوک پبلشرز، ۲۰۰٦ء، ص: ۱۰۷
۱۷۔ جاوید آصف، وساندر، ملتان ، دستک پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء، ص:۱٤۹
۱۸۔ جہانگیرم مخلص، میڈا کوٹ ڈیراور جاگ ولا، ملتان، سرائیکی ایریا سٹڈی سنٹر ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ، ۲۰۱۹، ص:۱۲۲